خدا اور انسان

مولانا ارشد جمال اشرفی

الاسلام مشن بنارس

خدا اور انسان

مولانا ارشد جمال اشرفی

الاسلام مشن بنارس

اِس کتاب میں

بِسۡمِ اللَّهِ الرَّحۡمَنِ الرَّحِيمِ

خدااورانسان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" الإِيـمَـانُ بِـضْـعٌ وَسَبْـعُـونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإِيمَانِ ".

''ایمان کے ستّر سے زیادہ درجے (شعبے) ہیں۔سب سے افضل درجہ یہ کہنا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب سے نچلا درجہ، راستے سے تکلیف دِہ چیزوں کا دور کرنا ہے اور حیا ایمان کا ایک درجہ ہے''۔(1)

ایمان کے شعبے کیا ہیں؟ ایمان والی عادت اور ایمان والی خصلت کو ''ایمان کا شعبہ'' کہا جاتا ہے۔اِس حدیث میں ایمان کے تمام شعبوں کا ذکر نہیں، بلکہ دو ایسے شعبوں کا ذکر ہوا ہے جن میں سے ایک اعلیٰ شعبہ ہے اور دوسرا ادنیٰ شعبہ۔باقی تمام شعبے اُنہی دونوں شعبوں کے درمیان ہیں۔جیسے اُس کی ایک مثال ''حیا'' ہے۔حیا بھی ایمان کا ایک حصہ اور درجہ ہے۔اصل میں یہ دونوں شعبے دو اہم حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔پہلا شعبہ حقیقتِ توحید کی لفظی تعبیر ہے اور دوسرا شعبہ خدمتِ خلق کی وضاحت ہے۔

توحید کیا ہے؟ تمام ظاہر و باطن میں ایک اللہ کو جاننے ماننے کا نام توحید ہے اور وہی انسان کی ''خدا رُخی زندگی'' (God oriented life) کی بنیاد ہے۔

''إِمَاطَةُ الأَذَى'' کیا ہے؟ یہ انسانی ہمدردی کی ایک بہتر مثال اور خدمتِ خلق کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔دنیا میں انسان سے یہی دو چیزیں مطلوب ہیں۔ایک خدا رُخی زندگی اور دوسری خدمتِ خلق۔

---

(1) مسند الامام احمد: 651/4 (حدیث:9999)،مسلم: کتاب الایمان/ باب بیان عدد شعب الایمان (حدیث:58)، ترمذی: کتاب الایمان/ باب مَا جَاءَ فِی اسْتِکْمَالِ الإِیمَانِ (حدیث:2614)،نسائی: کتاب الایمان/ باب ذکر شعب الایمان (حدیث:5005)،ابن ماجہ: المقدمۃ/ باب فی الایمان (حدیث:57)

خدا رُخی زندگی

خدا رُخی زندگی کیا ہے؟

خدا رُخی زندگی یہ ہے کہ انسان کے ذہن پر ہمیشہ خدا کی عظمت چھائی رہے۔ وہ جب بھی سوچے تو خدا کی بڑائی اور کبریائی کے ساتھ سوچے۔ اُس کی زندگی میں سب سے زیادہ خدا کو دخل ہو۔ وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت کرنے واالا ہو۔ وہ سب سے زیادہ اُسی کو یاد کرے اور اُسی کا چرچا کرے۔ وہ سب سے زیادہ خدا سے ڈرے اور بار بار اُسی کی طرف پلٹے۔ وہ صرف خدا سے دعا کرے اور اُسی کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ وہ سب سے زیادہ اُسی سے مانگے، اُسی سے لَو لگائے اور اُسی سے اُمید رکھے۔ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اُسی کی بات، اُسی کی یاد اور اُسی کا تذکرہ۔ وہ بال بچوں میں ہو تو خدا سے غافل نہ ہو۔ وہ آفس میں ہو یا بازار میں، خدا سے توجہ نہ ہٹائے۔ وہ تجارت میں ہو یا دوسری مصروفیتوں میں، ہمیشہ خدا کو دھیان میں رکھے۔

جب زندگی میں یہ رنگ پیدا ہو جائے تو وہ زندگی خدا رُخی زندگی ہوتی ہے۔ ایک انسان سے ایسی ہی زندگی مطلوب ہے۔ قرآن نے بار بار زندگی کے اِس انقلاب کا تذکرہ کیا ہے، مثلاً قرآن کی یہ آیتیں:

﴿اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کے علاوہ شریکوں کو بناتے ہیں، وہ اُن سے اللہ کی محبت کے برابر محبت کرتے ہیں اور ایمان والے سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرنے والے ہیں۔﴾ (البقرۃ:165)

﴿تو اللہ کا ذکر کرو جیسے تم اپنے باپ داداؤں کا ذکر کرتے ہو بلکہ اور زیادہ ذکر کرو۔﴾ (البقرۃ:152)

﴿اے ایمان والو! اللہ کو خوب یاد کرو۔﴾ (الاحزاب:41)

﴿تو تم لوگوں سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔﴾ (المائدۃ:44)

﴿تو لوگوں سے ڈرتا ہے حالانکہ اللہ اِس کا زیادہ حقدار ہے کہ تو اُس سے

ڈرے۔ ﴾ (الاحزاب:37)

﴿ وہ تو شیطان ہیں جو اپنے ساتھیوں کو خوف دلاتے ہیں تو اُن سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ ﴾ (آل عمران:175)

﴿ اور تم لوگ صرف مجھ سے ڈرو۔ ﴾ (البقرۃ:41)

﴿ اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ ﴾ (النساء:104)

﴿ اور اپنے رب کے فیصلے کے لئے صبر کرو اور اُن میں سے کسی گنہگار یا ناشکرے کی بات مت مانو۔ ﴾ (الانسان:24)

﴿ کافروں اور منافقوں کی بات مت مانو اور اُن کی اذیت کو نظرانداز کرو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ ﴾ (الاحزاب:48)

﴿ اور میری توفیق صرف اللہ سے ہے، اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اُسی کی طرف میں پلٹتا ہوں۔ ﴾ (ھود:88)

﴿ فیصلہ صرف اللہ کے لئے ہے، اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور بھروسہ کرنے والوں کو چاہئے کہ اُسی پر بھروسہ کریں۔ ﴾ (یوسف:67)

﴿ اور اللہ پر بھرسہ کرو اور اللہ کافی ہے بھروسہ کرنے کے لئے۔ ﴾ (الاحزاب:3)

﴿ اور اللہ کافی ہے ساتھ دینے کو اور اللہ کافی ہے مدد کرنے کو۔ ﴾ (النساء:45)

﴿ اور تمھارے رب نے کہا: مجھ سے دعا کرو میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔ ﴾ (غافر:60)

﴿ کہو کہ مجھ کو اللہ سے کوئی بچا نہیں سکتا اور نہ میں اُس کے سوا کوئی پناہ پا سکتا ہوں۔ ﴾ (الجن:22)

﴿ اور جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں پوچھیں تو بے شک میں قریب ہوں۔ میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکاریں۔ تو اُنھیں چاہئے کہ میری بات مانیں اور مجھ پر یقین رکھیں، امید ہے کہ وہ رہنمائی پائیں گے۔ ﴾ (البقرۃ:186)

اللہ کی معرفت کیوں؟

اگر کوئی پوچھے کہ خدا رُخی زندگی کیسے بنتی ہے؟

تو اُس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ یہ زندگی اللہ کی معرفت کے ذریعے بنتی ہے۔ جیسے جیسے اللہ کی معرفت بڑھتی جائے گی، ویسے ویسے خدا رُخی زندگی بنتی جائے گی۔

سوال یہ ہے کہ اللہ کی معرفت ہی کیوں؟

کیا خدا رُخی زندگی، اللہ کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں؟

اللہ کی معرفت کے بغیر جو زندگی ہوگی، وہ ایسی بے جان زندگی ہوگی جس کے اندر نہ کوئی احساس ہوتا ہے اور نہ کوئی کیفیت اور نہ کسی طرح کا کوئی جذبہ۔ معرفت کے بغیر جو زندگی ہوتی ہے وہ روبوٹ والی زندگی ہوتی ہے۔

جب کوئی انسان اللہ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے تو اُس کی مشینی زندگی، خدا رُخی زندگی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اِس اعتبار سے اللہ کی معرفت بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ زمین پر زندگی کو شروع کرنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ انسان اس زمین پر رہ کر اللہ کی معرفت حاصل کرے، کیونکہ اُسی سے خدا رُخی زندگی بنتی ہے، جیسا کہ سورۃ الذاریات کی ایک آیت ہے:﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾(56)

(یعنی میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا۔)

بعض مفسرین نے ''لِيَعْبُدُونِ'' کی تفسیر اُس کے معروف معنیٰ ''عبادت'' سے کی ہے، لیکن امام مجاہد نے اُس کی تفسیر ''اِلَّا لِيَعْرِفُوْنِ'' سے کی ہے۔(2) اُس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ میں نے جن وانس کو صرف اپنی ''معرفت'' حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا۔

بظاہر اِن دونوں تفسیروں میں تضاد نظر آتا ہے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے اُن میں

---

(2) تفسیر الثعلبی: 9/120
تفسیر البغوی: 7/380
تفسیر القرطبی: 19/507

کوئی تضاد نہیں۔ جیسے کوئی آدمی یہ کہے کہ میری دلی تمنا ہے کہ میرا بیٹا دنیا میں میرا نام روشن کرے، پھر دوسری بار وہ یہ کہے کہ میری دلی تمنا ہے کہ میرا بیٹا اچھا خاصا لکھ پڑھ لے۔ بظاہر دونوں باتوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے، لیکن اُن میں کوئی تضاد نہیں۔ پہلی بات جو اُس آدمی نے اپنے بیٹے کے حق میں کہی، وہ نتیجے کے اعتبار سے ہے اور دوسری بات کام کی شروعات کے اعتبار سے ہے۔ گویا اُس آدمی کی پوری بات اِس طرح ہوگی کہ ''میری دلی تمنا ہے کہ میرا بیٹا اچھا خاصا لکھ پڑھ کر دنیا میں میرا نام روشن کرے''۔اب دیکھئے دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں رہ گیا ہے۔ جب تک بیٹا لکھ پڑھ کر ماہر نہیں ہو جاتا، تب تک وہ دنیا میں اپنے باپ کا نام روشن نہیں کر سکے گا۔ یوں ہی عبادت اور معرفت کو بھی سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو عبادت کے لئے پیدا کیا یا معرفت کے لئے؟ دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ بندے عبادت کے لئے بھی ہیں اور معرفت حاصل کرنے کے لئے بھی۔ عبادت نتیجے کے اعتبار سے ہے اور معرفت ابتدا کے اعتبار سے۔ جس کو اللہ کی سچی معرفت حاصل ہوگی، وہ خود کو اللہ کی عبادت کے لئے بے چین پائے گا۔ بغیر معرفت کے جو عبادت کے لئے آگے بڑھے گا، وہ بس ایک خانہ پُری ہوگی اور وہ ایک رسم نبھا آئے گا۔ کام کی ابتدا کے بغیر کوئی نتیجے تک کیسے پہنچ سکتا ہے، اِس لئے آیت کی تفسیر ''معرفت'' سے کرنا زیادہ بہتر ہے۔

یہی بات مفسّر ثعلبی نے لکھی ہے:

”ولقد أحسن فی ھذا القول لأنّہ لو لم یخلقھم لما عرف وجودہ وتوحیدہ“. (3)

مفسر بغوی اور قرطبی نے اُس کی تائید کی ہے۔(4)

امام مجاہد نے جو تفسیر کی ہے، وہ بہتر تفسیر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ چیز بہت پسند ہے

---

(3)تفسیر الثعلبی:9/120

(4)تفسیر البغوی:7/380

تفسیر القرطبی:19/507

اُسے اور اُس کی توحید کو لوگ جانیں، اِسی کا نام معرفت ہے اور اِسی چیز کے لئے اُس نے انسانوں کو پیدا کیا۔ اب بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا۔ معرفت، عبادت کا صرف ابتدائی حصہ نہیں، بلکہ یہ عبادت کی بنیاد ہے، اُس کی جان اور اُس کی روح ہے۔ عبادت کے ہر لمحے میں معرفت کا ہونا ضروری ہے، اِس کے بغیر ساری عبادت بے بنیاد عمارت کی طرح ہے یا بے جان جسم کے مانند ہے۔

اللہ کی معرفت ہوتے ہی انسان کے اندر یہ احساس جاگ اٹھتا ہے کہ صرف اُسی کی واحد ذات ہے جو عبادت کے لائق ہے۔ اِس طرح وہ اللہ کی عبادت کا اقرار واعتراف کرنے والا بندہ بن جاتا ہے۔ یہ 'اقرار' اتنی شدت کے ساتھ ہوتا ہے کہ خارجی دباؤ کی وجہ سے اگر اُس کا نفس اُسے اِس طرف سے پھیرنا بھی چاہے تو نہیں پھیر پاتا، نہ چاہتے ہوئے بھی اُسے کم از کم دل میں اقرار کرنا ہی پڑتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں معرفت کے اِسی پہلو کو اُجاگر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: "إلا لیقروا بالعبودیة طوعا او کرھا". یعنی میں نے جن وانس کو اِس لئے پیدا کیا تا کہ وہ خواہی نخواہی میری عبادت کا اقرار کریں۔ (5)

معرفت کے بغیر اقرارِ عبادت نہیں۔ گویا حضرت عبداللہ بن عباس نے اپنی تفسیر میں معرفت کے دوسرے درجے کا ذکر کیا ہے۔ یہ بھی حقیقت میں ایک ہی تفسیر کے دو رُخ ہیں، اِن میں کوئی تضاد نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو تفسیر مروی ہے، وہ یہ ہے کہ میں نے جن وانس کو اِس لئے پیدا کیا کہ میں اُنھیں عبادت کا حکم دوں۔ " اِلّا لِاٰمُرَھم بِالْعِبَادَةِ". (6)

---

(5) تفسیر الطبری: 21/554،
تفسیر ابن ابی حاتم: 10/3311،
تفسیر القرطبی: 19/507، تفسیر ابن کثیر: 7/425
(6) تفسیر القرطبی: 19/507، تفسیر البغوی: 7/380

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ " لِیَعْبُدُونِ "کا وضاحتی معنی ہے۔ یعنی عبادت کے لئے پیدا کرنا یا عبادت کا حکم دینا، بات ایک ہی معلوم ہوتی ہے، لیکن ایسا نہیں۔

حضرت علی نے معرفت وعبادت کی ایک دوسری حقیقت کو کھولا ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، لیکن وہ یکساں طور پر ہر بندے کو عبادت کا حکم نہیں دیتا، بلکہ وہ صرف اُنہی بندوں کو حکم (امر) فرماتا ہے جو اپنے اندر معرفت اور اقرارِ عبادت کا جذبہ پیدا کر چکے ہوں۔ عبادت کے لئے پیدا کرنا الگ چیز ہے اور عبادت کا حکم دینا الگ بات ہے۔ ہر انسان دنیا میں کچھ کام کرنے ہی کے لئے آیا ہے، لیکن باپ اپنے کسی بچے کو پیدا ہوتے ہی کسی کام حکم نہیں دیتا۔ جب اُس کا بچہ باشعور ہو کر کچھ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تب اُسے کسی کام کا حکم دیا جاتا ہے۔

حضرت علی نے اپنی تفسیر میں خدا کے تشریعی راز کو کھولا ہے۔

بہرحال

خدا رُخی زندگی کے لئے سب سے پہلی اور ضروری چیز ''معرفت'' ہے۔ معرفت کے بغیر زندگی، جیسے جانوروں کی زندگی یا روبوٹ والی نقل وحرکت ہوتی ہے۔ جب اللہ کی معرفت ہوتی ہے تو آدمی انسان بنتا ہے اور اپنے خالق کو پہچاننے لگتا ہے۔ جس نے اپنے خالق کو صحیح معنوں میں پہچان لیا، وہ اُسی کا ہو کر رہے گا۔ وہ کسی غیر کے آگے سجدہ نہیں کرے گا۔ وہ نیچر کی پوجا نہیں کرے گا۔ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے گا اور اپنی زندگی کو اُسی راستے پر ڈال دے گا جو راستہ اللہ کی محبت اور اُس کی قربت کی طرف جاتا ہے۔

آیت اور معرفت

معرفت کی اہمیت سمجھنے کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ معرفت حاصل کیسے ہوتی ہے؟
اللہ کی معرفت حاصل کرنے کا طریقہ بہت زیادہ آسان ہے۔صرف غور کرنے کی ضرورت ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس کائنات میں بسایا ہے، وہ کائنات بہت زیادہ وسیع اور پھیلی ہوئی ہے۔انسان ہر جگہ سے اور ہر طرح سے اِس کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے۔اِس کائنات کی ہر چیز چاہے وہ پہاڑ کی طرح بڑی ہو یا چیونٹی کی طرح چھوٹی، اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کی نشانی اور اُس کی کاریگری کا نمونہ ہے۔کائنات کے اندر جو کچھ ہوتا ہے یا ہو رہا ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات کا آئینہ ہے۔اگر انسان، کائنات کو یا اُس کے اندر ہونے والے واقعات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کو سمجھے، اُس کے ذہن پر اللہ تعالیٰ کی عظمت چھا جائے اور اُس کا دل ایک برتر ہستی کے اعتراف میں ڈوب جائے تو اُسی کا نام ''اللہ کی معرفت'' ہے۔

یا انسان خود اپنے آپ کو دیکھے۔انسان کا پورا وجود اللہ تعالیٰ کی کاریگری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔انسانی جسم کی ایک ایک چیز، ناخن سے بال تک، اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا عظیم شہکار ہے۔اُسی طرح انسان کی روزہ مرّہ کی زندگی یا انسانی زندگی میں پیش آنے والا ہر حادثہ، اللہ تعالیٰ کی عظیم قوتوں کا مظہر ہے۔اگر انسان اپنے آپ کو دیکھ کر اللہ کو یاد کرے۔یا زندگی میں پیش آنے والے حادثات کو دیکھ کر اللہ کی عظمت و کبریائی کا احساس کرے تو اُسی کا نام ''اللہ کی معرفت'' ہے۔

جس چیز سے اللہ کی عظمت و کبریائی اور اللہ کی طاقت وقدرت کا اعتراف و احساس ہو، اُس چیز کو قرآن کی زبان میں ''آیت'' کہتے ہیں۔جس کا مطلب ہے: اللہ کی نشانی۔یعنی کائنات کی ہر چیز اور کائنات میں ہونے والا ہر واقعہ، اللہ کی آیت ہے۔یوں ہی انسان کا سارا وجود اور روزمرّہ کی زندگی اور اُس زندگی میں پیش آنے والا ہر حادثہ، اللہ کی آیت ہے، پھر اُن آیتوں میں غور و فکر کرنے سے دل و دماغ میں اللہ کی عظمت و کبریائی کا جو احساس پیدا ہوتا ہے، اُس کا نام ''معرفت'' ہے۔

اللہ کی آیتیں

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی آیتوں کا ذکر کیا ہے جو انسان کو معرفت کی دعوت دیتی ہیں، مثلاً یہ آیتیں:۔

﴿اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اچانک تم بشر بن کر پھیلتے ہو۔

اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمھارے لئے تمھاری جانوں میں سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم اُن سے سکون پاؤ اور اُس نے تمھارے درمیان چاہت اور مہربانی رکھ دی، بے شک اُس میں اُن لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں جو غور کرتے ہیں۔

اور اُس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمھاری زبانوں اور رنگوں کا فرق ہے، بے شک اُس میں علم والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

اور اُس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی، تمھارا رات میں سونا اور دن میں تمھارا اُس کا رزق تلاش کرنا ہے، بے شک اُس میں البتہ اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔

اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمھیں بجلی دکھاتا ہے خوف اور امید کے ساتھ اور وہ آسمان سے پانی اتارتا ہے تو وہ اُس سے زمین کو زندہ کرتا ہے اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد، بے شک اُس میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اُس کے قانون کے مطابق قائم ہیں۔ پھر جب وہ تم کو ایک بار پکارے گا تو تم اُسی وقت زمین سے نکل پڑو گے۔

اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے خوشخبری دینے کے لئے اور تاکہ وہ تمھیں اپنی رحمت کا لطف بخشے اور تاکہ کشتیاں اُس کے قانون سے چلیں اور تاکہ تم اُس کا فضل تلاش کرو اور امید ہے کہ تم شکر ادا کرو گے۔﴾ (الروم: 46-26+20)

﴿اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے: رات اور دن اور سورج اور چاند، سورج اور چاند کو سجدہ مت کرو اور اللہ کو سجدہ کرو جس نے اُن سب کو پیدا کیا، اگر تم اُسی کی عبادت

کررہے ہو۔﴾ (فصلت:37)

﴿اوراُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ بے شک تو زمین کو سپاٹ میدان کی طرح دیکھتا ہے تو جب ہم نے اُس پر پانی برسایا تو وہ ہری بھری ہوگئی۔ بے شک جس نے اُسے زندہ کیا تو وہ مردے کو بھی زندہ کرنے والا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔﴾ (فصلت:39)

﴿اوراُس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور وہ جاندار جو اُس نے اُن کے درمیان پھیلائے ہیں اور جب چاہے وہ اُن کو جمع کرنے پر قادر ہے۔﴾ (الشوریٰ:29)

﴿اوراُس کی نشانیوں میں سے ہیں پہاڑ جیسے بھاری بھرکم سمندر میں چلنے والے جہاز۔﴾ (الشوریٰ:32)

﴿اورایک نشانی اُن کے لئے مردہ زمین ہے، اُسے ہم نے زندہ کیا اور ہم نے اُس سے غلّہ نکالا تو اُس سے لوگ کھاتے ہیں۔

اورایک نشانی اُن کے لئے رات ہے، اُس سے ہم دن کو نکالتے ہیں تو اچانک وہ اندھیرے میں پڑ جاتے ہیں۔ اور سورج ہے جو اپنے مقرّر راستے پر چلتا ہے، وہ غالب جاننے والے کا اندازہ ہے۔ اور چاند ہے، اُسے ہم نے منزلوں میں ٹھہرایا یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ ہوکر رہ جاتا ہے۔﴾ (یٰسٓ:38-37-33)

﴿اورایک نشانی اُن کے لئے یہ ہے کہ ہم نے اُن کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اور ہم نے اُن کے لئے اُسی طرح کی اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو اُن کو ڈبو دیں تو نہ کوئی اُن کی چیخ سننے والا ہو اور نہ وہ بچائے جاسکیں، مگر یہ ہماری رحمت ہے اور ایک وقت تک کے لئے فائدہ کا سامان ہے۔﴾ (یٰسٓ:44+41)

﴿اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور تمھاری جانوں کے اندر بھی تو کیا تم لوگ دیکھتے نہیں۔﴾ (الذاریات:21+20)

آیت آیت معرفت

جس طرح کائنات میں بکھری ہوئی نشانیوں کو 'آیت' کہتے ہیں، اُسی طرح قرآن کے چھوٹے بڑے ہر جملے کو بھی ''آیت'' کہتے ہیں۔ اِس طرح پورا قرآن ہی اللہ کی ''آیات'' ہے، کیونکہ جس طرح کائنات اور انسان کے اندر بکھری ہوئی نشانیاں، اللہ کی عظمت و کبریائی کا پتہ دیتی ہیں، اُسی طرح قرآن کی ایک ایک آیت، اللہ کی عظمت و کبریائی کی نشانی ہے۔ قرآن کی ہر آیت، اللہ کی معرفت کی غذا ہے۔ قرآن کی ہر آیت، آیتِ نصیحت ہے۔ قرآن کی ہر آیت، آیتِ ہدایت ہے۔ قرآن کی ہر آیت، آیتِ تذکرہ ہے۔ قرآن کی ہر آیت، آیتِ نور ہے۔ قرآن کی ہر آیت، آیتِ شفا ہے۔ قرآن کی ہر آیت، آیتِ تفکّر ہے۔ قرآن کی ہر آیت، آیتِ نظر ہے۔ قرآن کی ہر آیت، آیتِ بلاغ ہے۔ قرآن کی ہر آیت، آیتِ دعوت ہے۔ قرآن کی آیتوں کا یہ تعارف، خود قرآن کے اندر موجود ہے۔

ہمارے زمانے میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے ہیں جو قرآن کی بعض آیتوں اور سورتوں کو ''گالی'' (سبّ وشتم) کہتے ہیں۔ اُن لوگوں میں عوام بھی ہیں، خواص بھی۔ علما بھی ہیں اور مفتی بھی۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کی سورۃ'' تَبَّتْ یَدَا أَبِی لَهَبٍ'' گالی ہے۔ اُسی طرح قرآن کی درج ذیل آیتیں بھی گالیاں ہیں:

﴿وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ﴾ (البقرۃ: 14)

(اور جب وہ اپنے شیطانوں (کافروں کے لیڈر) کے پاس تنہا ہوں۔)

﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ﴾ (البقرۃ: 18)

(وہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں تو وہ باز نہیں آئیں گے۔)

﴿أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾ (الأعراف: 179)

(وہ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ وہ اُس سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔)

﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ (الأنبياء:98)

(بے شک تم اور جسے تم اللہ کے علاوہ پوجتے ہو، جہنم کا ایندھن ہیں۔)

وہ کہتے ہیں کہ اِن آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو گالیاں دی ہیں۔

کیسے عجیب ہیں وہ لوگ! قرآن کی جن آیتوں کو سن سن کر کافر و مشرک بھی پکار اُٹھتے تھے کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں، بلکہ وہ اللہ کا کلام ہے۔ قرآن کی آیتوں سے وہ نور، شفا اور ہدایت پاتے تھے۔ قرآن کی آیتوں کو وہ نصیحت اور تذکرہ سمجھتے تھے۔ قرآن کی آیتوں سے وہ معرفت کی غذا حاصل کرتے تھے، قرآن کی اُنھی آیتوں کو آج قرآن کے ماننے والے ہی 'گالی' بتارہے ہیں۔ مسلمان ہو کر قرآن کی کیسی توہین کر رہے ہیں!

وہ لوگ جو قرآن کو الزام دیتے تھے کہ قرآن دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے۔ اُن کے الزام کو رَد کرنے کے لئے علمائے ربانیین اُٹھے اور اُن پر اچھی طرح واضح کر دیا کہ قرآن دہشت گردی کی نہیں، بلکہ اَمن کی دعوت دیتا ہے۔ جب اُنھیں پتہ چلے گا کہ قرآن گالی کی کتاب ہے۔ وہ ہمیں اور ہمارے بتوں کو گالیاں دیتا ہے اور یہ بات خود قرآن کی تعلیم دینے والے مولوی اور مفتی کہہ رہے ہیں، تو بھلا کیا جواب ہوگا اُن کا؟ یہ عجیب دشمنی ہے قرآن کے ساتھ! اِسی لئے وہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں دوسروں کو گالیاں بکتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ آپ بھی بَکا کریں، کیونکہ اُن کا قرآن خود گالیاں بکتا ہوا اُنھیں نظر آتا ہے۔ معاذ اللہ،

ایک مجلس میں چند علما تشریف رکھتے تھے۔ میں بھی وہاں حاضر تھا۔ اُن میں سے ایک نے کہا کہ آپ نے اپنی کتاب ''قرآن کی عظمت اور ضرورت'' میں لکھا ہے کہ قرآن کافروں اور مشرکوں کو گالی نہیں دیتا، حالانکہ قرآن کی بعض آیت گالی ہے، لھٰذا آپ قرآن کی صراحت کے خلاف لکھ کر گمراہ ہو رہے ہیں۔ اُن کی دلیل وہی آیت: ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ﴾ تھی جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔

اِسی طرح کی ایک دوسری مجلس میں ایک صاحب نے میری کتاب کے ایک

پیراگراف (☆) کو پڑھ کر سنایا۔ دوسرے صاحب نے کہا کہ یہ پیراگراف گمراہی کی طرف لے جانے والا ہے۔ تیسرے صاحب نے کہا کہ آپ کو رجوع کرنا ہوگا۔ میں نے کہا: کیا میں ہَوا میں رجوع کروں؟ پہلے دلیل سے ثابت تو کیجے کہ قرآن کی بعض آیت گالی ہے۔

اُن علما کا ماننا یہ تھا کہ قرآن کی بعض آیت گالی ہے اور اُس کا گالی ہونا صراحت سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی واضح طور پر یہ بات ثابت ہے کہ قرآن کی بعض آیت گالی ہے اور آپ اِس کو نہیں مانتے، لٰھذا آپ گمراہ ہیں۔ آپ اپنی اِس گمراہی سے رجوع کر لیں۔

مولویوں کا وہ گروپ کس ڈھٹائی سے کہہ رہا تھا کہ میں اپنی بات واپس لوں اور اُن کی طرح میں بھی قرآن کی آیتوں کو 'گالی' مانوں۔ یہ کیسی اُلٹی گنگا بہہ رہی تھی۔ گمراہی تو یہ تھی کہ قرآن کی آیتوں کو ''گالی'' کہا جائے اور فتویٰ یہ تھا کہ جو ''گالی'' نہ مانے وہ گمراہ۔ وہ اپنے ساتھ مجھے بھی جہنم میں گھسیٹ رہے تھے۔

(☆) کتاب کا اصل پیراگراف یہ ہے:

''اصل میں قرآن کسی مذہب کے ماننے والوں کو برا بھلا نہیں کہتا۔ مذہب اور عقیدے کی بنیاد پر وہ کسی کو برا بھلا نہیں کہتا۔ وہ عام مشرکوں، منافقوں، کافروں، یہودیوں اور عیسائیوں کو برا بھلا نہیں کہتا، بلکہ جب کسی مذہب کا ماننے والا اخلاقی جرم کرتا ہے اور وہ اخلاقی مجرم بن جاتا ہے تو قرآن اُس کی حقیقت کھول دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ کے تمام مشرکوں کے درمیان جب ابولہب اخلاقی مجرم بن گیا تو قرآن نے اُس کی حقیقت کو واضح کیا''۔

''برا بھلا کہنا'' سبّ وشتم کے معنی میں ہے جو اردو زبان میں گالی دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی قرآن میں جو کافروں، مشرکوں، منافقوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی مذمت کی گئی ہے، وہ گالی نہیں ہے، بلکہ وہ اُن کی حقیقت کا اظہار ہے۔ وہ اُن کی مجرمانہ تصویر ہے۔ وہ اُن کے غیر اَخلاقی رویّے کا بیان ہے۔ وہ اُن کے عیبوں کو کھولنا ہے۔

قرآن کی کسی آیت کو گالی کہنا، قرآن کی توہین ہے اور قرآن کو عیب لگانا ہے۔

غور و فکر

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں ہر طرف اپنی نشانیاں بکھیر دی ہیں تا کہ ہر آدمی اُس میں غور کرے اور اللہ کی معرفت حاصل کرے۔ قرآن میں اِس مضمون کو بار بار دُہرا یا گیا ہے، جیسے قرآن کی یہ آیت:۔

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ .﴾ (فُصِّلَتْ:53)

(عنقریب ہم اُن کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے، آفاق میں بھی اور خود اُن کے اندر بھی، یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ بے شک وہ قرآن حق ہے۔ اور کیا یہ کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز پر گواہ ہے۔)

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ .الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.﴾

(آل عمران:190-191)

(بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بار بار آنے میں، عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور اپنی کروٹوں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے اِس کو بے کار پیدا نہیں کیا۔ تیری پاکی ہے تو تو ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔)

آدمی روز سوتا ہے اور جاگتا ہے، لیکن وہ اُسے صرف فطرت کا ایک قانون سمجھتا ہے۔ اگر وہ یہ غور کرے کہ کیوں اُسے نیند آئی؟ کس نے رات آنے پر اُسے سلا دیا؟ کیوں وہ اچانک جاگ اُٹھا؟ کس نے اُسے نیند سے جگا دیا؟ تو ضرور وہ سمجھے گا کہ کوئی برتر ہستی ہے اور کوئی طاقتور ذات ہے جو اُسے روز سلاتا ہے اور جگاتا ہے۔ کیا یہ ہر رات سونا اور ہر صبح جاگنا، یوں ہی بیکار ہے؟ وہ غور کرتے کرتے پکار اُٹھے گا کہ یہ سب ایک عظیم مقصد کے تحت

ہو رہا ہے اور یہ سب آخرت کی یاددہانی ہے۔ اِسی کا نام ''معرفت'' ہے۔

اگرانسان اِس کائنات کے واقعات کواور اپنی زندگی کے حادثات کوصرف فطرت کا ایک قانون سمجھے اور اُس سے کوئی عبرت اور نصیحت حاصل نہ کرے تو وہ اللہ سے دور ہے اور اللہ کی معرفت سے محروم۔

اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنی تخلیقات کو غور سے دیکھنے اور سمجھنے کی دعوت دی ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے:

﴿تو کیا لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسا وہ پیدا کیا گیا ہے، اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسا وہ اونچا کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسا اُسے جمایا گیا ہے۔ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسا اُسے بچھایا گیا ہے۔ تو اے رسول تم نصیحت کرو، کیونکہ تم تو نصیحت کرنے والے ہو، تم اُن پر زبردستی کرنے والے نہیں۔ مگر جو پیٹھ پھیرے گا اور کفر کرے گا تو اللہ اُسے بڑا عذاب دے گا۔ بیشک ہماری ہی طرف اُن کو پلٹنا ہے اور بے شک ہمارے ہی ذمہ اُن کا حساب ہے۔﴾ (الغاشیۃ: 26+17)

جو لوگ اللہ کی تخلیقات کو نصیحت کی نظر سے دیکھیں گے، اُنھیں اللہ کی معرفت حاصل ہوگی۔ اور جو اللہ کی تخلیقات کو محض قانونِ فطرت کے اعتبار سے دیکھیں گے، وہ اُن تخلیقات کے حسن میں گم ہو کر رہ جائیں گے اور وہ کسی نتیجے تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ وہ دنیا بھر کی سیاحت کریں گے، لیکن اُنھیں کھوکھلے انجوائمنٹ (enjoyment) کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

اللہ نے انسان کو اِس دنیا میں آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اگر وہ کائنات میں بکھری ہوئی اُس کی لامحدود نشانیوں کو دیکھے اور اُنھیں نظر انداز کرے تو یہاں اُس کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں۔ اُس سے زبردستی منوانے والا کوئی نہیں۔ یہ ہر انسان کا اپنا کیس ہے۔ یہ اُس کی اپنی آخرت کا معاملہ ہے۔ دوسرا کوئی اور اُس کا ذمہ دار نہیں۔ بس اللہ کے یہاں پکڑ ہوگی اور زبردست پکڑ ہوگی۔

پھر غفلت کیوں؟

نیچر کا یہ اصول ہے کہ جو چیز زیادہ ہوتی ہے، وہ کم قیمت یا بے قیمت ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر پانی کی قیمت، اناج اور غلہ کے مقابلے میں کچھ نہیں، کیونکہ پانی، دنیا میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ اِسی طرح پانی کے مقابلے میں ہوا کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ پانی تو بِکتا بھی ہے، لیکن ہوا بالکل مفت ملتی ہے، کیونکہ ہوا دنیا میں ہر چیز سے زیادہ پائی جاتی ہے، لٰھذا جو چیز جتنی زیادہ ہوگی، وہ اُتنی ہی زیادہ بے قیمت ہو جائے گی۔ بے قیمت کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے لئے لوگ فکر مند نہیں رہتے، وہ چیز اُن کے احساس پر چھائی نہیں رہتی۔ اُس کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور اُس کی اہمیت اور ضرورت کو نظر انداز کر کے لوگ غفلت میں پڑ جاتے ہیں۔ یہی سلوک لوگوں نے اللہ کی معرفت کے ساتھ بھی کیا۔ اللہ کی معرفت، اِس کائنات میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ یہ ہوا اور پانی سے بھی کہیں زیادہ مقدار میں پائی جاتی ہے۔ خود ہوا اور پانی بھی اللہ کی معرفت کا ایک نمونہ ہے۔ ہم ہوا اور پانی کے ذریعہ بھی خدا کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔ ہماری ہر سانس خدا کی معرفت کا پیغام لے کر آتی رہتی ہے، لیکن انسان کے نیچر نے یہاں بھی وہی رویّہ اختیار کیا جو اُس نے دوسری تمام چیزوں کے ساتھ کیا تھا۔ یعنی زیادہ مقدار میں پائی جانے والی چیز کو نظر انداز کر دینا اور اُس کو کوئی اہمیت نہ دینا۔ اگر خدا کی معرفت کی چیزیں اِس دنیا میں کم سے کم ہوتیں تو سارے لوگ خدا کی معرفت میں ڈوب جاتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے ساتھ جان بوجھ کر یہ معاملہ کیا ہے، کیونکہ یہی تو امتحان ہے۔ اللہ نے اپنی معرفت کو امتحان کی حالت میں رکھا ہے۔ اگر اللہ کی معرفت ہر ایک کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اپنی طرف کھینچ کر لے جاتی تو پھر ہر آدمی خدا کا عارف بندہ بن جاتا ہے، لیکن خدا کی معرفت کے لاکھوں کروروں جلووں نے انسان پر غفلت کا پردہ ڈال دیا ہے۔ اب آزمایا جائے گا کہ کون اپنی غفلت کی دنیا سے نکل کر خدا کی معرفت کی دنیا کی طرف آتا ہے؟!

زندگی میں پیش آنے والے ہر واقعے اور حادثے کو خدائی اعتبار سے لینا اور اُس

میں آخرت کا پہلو ڈھونڈ نکالنا، معرفت ہے اور اُسی طرح کی سوچ بنا کر زندگی کو اُس پر ڈھال لینے کا نام ''خدا رُخی زندگی'' ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ زندگی یہی تھا۔ وہ کسی بھی دنیاوی حادثے اور واقعے کو خدا کی طرف موڑ دیتے تھے اور اُسے معرفت کی غذا بنا دیتے تھے۔ آپ کے بعد آپ کے صحابہ نے بھی اُسی طرزِ زندگی کو اختیار کیا۔ زندگی سے معرفت کی غذا حاصل کرنے کی چند مثالیں یہاں پیش ہیں:۔

پہلی مثال

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی حاضر ہوئے۔ اُن میں ایک عورت بھی تھی جو اپنے دودھ پیتے بچے کو تلاش کر رہی تھی۔ جب اُس نے اپنے بچے کو پایا تو اُسے اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور اُسے دودھ پلانے لگی۔ اُس منظر کو دیکھ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے کہا:

'' أَتَرَوْنَ هَذِهِ الْمَرْأَةَ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ ''.

(کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینکے گی؟۔)

اُنھوں نے جواب دیا: نہیں، وہ عورت یہ کرسکتی ہے کہ اپنے بچے کو آگ میں گرنے نہ دے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' لَلَّهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هَذِهِ بِوَلَدِهَا''.

(وہ عورت اپنے بچے پر جتنی مہربان ہے، اُس سے زیادہ تو اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔)(8)

یہ ممتا کا ایک منظر تھا جو دنیا میں ہر جگہ پیش آتا رہتا ہے، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے سادہ سا ایک منظر نہیں رہنے دیا، بلکہ اُسے اللہ کی رحمت کی طرف موڑ دیا اور آپ نے اُسے اللہ کی معرفت کی غذا بنا کر اپنے صحابہ کے سامنے رکھ دیا۔

---

(8) بخاری: کتاب الادب/ باب رحمۃ الولد وتقبیلہ ومعانقتہ (حدیث:5999)
مسلم: کتاب التوبۃ/ باب فی سعۃ رحمۃ اللہ (حدیث:2754)

دوسری مثال

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ تبوک کے لئے اپنے صحابہ کے ساتھ ملکِ شام کی طرف سفر کررہے تھے۔ جب آپ قومِ ثمود کی بستی (حِجر) کے قریب پہنچے تو کہا: ”ظالموں کی بستیوں میں پہنچنا تو روتے ہوئے ہی آگے بڑھنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہ عذاب آجائے جو اُن پر آیا تھا“۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنا چہرہ چادر میں چھپالیا، اُس وقت آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ نے اپنی سواری کو تیزی سے بھگایا اور اُس بستی سے باہر نکل آئے۔(9)

ثمود، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی جو حجاز اور ملک شام کے درمیان آباد تھی جب اُس نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تو اُس پر چنگھاڑ کا عذاب آیا اور پوری بستی ہلاک ہوگئی جس کے کھنڈرات، اُن ظالموں کی تباہی کی داستان سنارہے تھے۔

گزرنے والے، ہزاروں بار اُس مقام سے گزرے، مگر بے شعوری اور غفلت کے ساتھ، مگر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو اُنھوں نے اُس تاریخی مقام کو عبرت کی نگاہ سے دیکھا اور اپنے صحابہ کو ذہن دیا کہ اِن کھنڈرات کے اندر اللہ کا غیظ و غضب چھپا ہوا ہے اور اُس کے عذاب کی پَرتیں اِن کھنڈرات پر جمی ہوئی ہیں، لھٰذا اِن کھنڈرات کو سرسری نگاہ سے دیکھ کر آگے نہ بڑھ جاؤ، بلکہ یہ مقامِ عبرت ہے۔ روتے ہوئے گزرو اور اپنے آنسوؤں کی روشنی میں اللہ کی معرفت حاصل کرتے چلو۔ بغیر عبرت اور معرفت کے اگر تم آگے بڑھے تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ تمھیں اللہ کے عذاب کی کچھ پروا نہیں اور تمھارا دل سخت ہورہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر غفلت چھاجائے اور تم بھی کچھ ایسا کر بیٹھو کہ عذاب کی صورت پیدا ہوجائے۔

عام طور پر ایسے مقامات سے لوگ سیر وسیاحت کا لطف لیتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں، مگر اللہ کے رسول نے اُن مقامات کو بھی عبرت اور معرفت کی تصویر میں تبدیل کردیا۔

---

(9) مسند الامام احمد: 232/3 (حدیث: 5466)
بخاری: کتاب المغازی/ باب نزول النبی الحجر (حدیث: 4419)
مسلم: کتاب الزھد والرقائق/ باب لاتدخلوا المساکن الذین ظلموا انفسھم (حدیث: 2980)

تیسری مثال

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کسی راہب کے چرچ سے گزرے تو اُنھوں نے پکارا: اے راہب، اے راہب! اُس نے جھانک کر اُنھیں دیکھا تو حضرت عمر اُس کی طرف دیکھ کر رونے لگے۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کیوں اُسے دیکھ کر رونے لگے؟ اُنھوں نے جواب دیا: اُسے دیکھ کر مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ قول یاد آ گیا:

﴿عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ .تَصْلَى نَارًا حَامِيَةً .تُسْقَى مِنْ عَيْنٍ آنِيَةٍ﴾ (الغاشیۃ:5+3)

(یعنی کچھ لوگ دنیا میں محنت کرنے اور تھکنے والے ہوں گے مگر وہ جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جائیں گے، اُنھیں کھولتے چشمے کا پانی پلایا جائے گا۔) تو اُسی کو یاد کر کے مجھے رونا آ گیا۔ (10)

ایک پادری اپنے چرچ کی تنہائی میں دنیا سے کٹ کر بیٹھ جاتا ہے اور اپنے آپ کو عبادت کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ وہ دن رات عبادت میں محنت کرتا ہے اور تھکتا ہے، مگر ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے اُس کی محنت سے کی ہوئی ساری عبادت برباد اور بے نتیجہ ہے۔ پوری عمر عبادت میں کھپا دینے کے باوجود اُسے جہنم کی آگ میں جلنا پڑے گا۔ اِس طرح کا آدمی قابلِ رحم اور قابلِ عبرت ہے۔

حضرت عمر کو اُس پادری کے حال سے عبرت ہوئی کہ قیامت کے دن کچھ ایسے لوگ ہو سکتے ہیں جنھوں نے دنیا میں بہت زیادہ عبادت کی ہوگی اور بہت زیادہ روزہ، نماز کیا ہوگا۔ نیکیاں کمانے کے چکّر میں وہ تھک سے گئے ہوں گے، مگر اِس کے باوجود کسی 'بھیانک جرم' میں پھنسے ہوں گے اور جنت کے بجائے اُنھیں جہنم کا فیصلہ سنایا جائے گا۔

ہزاروں لاکھوں لوگ مندروں، مسجدوں اور گرجا گھروں سے گزرتے ہیں اور یوں ہی بے خیالی میں آگے بڑھ جاتے ہیں، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گرجا گھر کے پادری کو سرسری نگاہ سے نہیں دیکھا، بلکہ اُسے دیکھ کر اللہ کی شانِ بے نیازی اور آخرت کی خوفناکی کو یاد کیا۔

---

(10) المستدرک: 2/613، تفسیر ابن کثیر: 8/385، تفسیر عبد الرزاق: 2/368

خدمتِ خلق

یہ لکھا جا چکا ہے کہ دنیا میں انسان سے دو چیزیں مطلوب ہیں: ایک خدا رُخی زندگی اور دوسری خدمتِ خلق۔

خدا رُخی زندگی کی حقیقت اور اُس کے چند اوصاف کا بیان ہو چکا ہے۔اب خدمتِ خلق کی اہمیت اور اُس کے چند پہلوؤں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

اسلام میں خدمتِ خلق کی بہت زیادہ اہمیت ہے، اتنی زیادہ کہ خدا رُخی زندگی بغیر خدمتِ خلق کے معتبر نہیں۔ ایک مومن کا ایمان اُس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک اُس کے اندر خدمتِ خلق کا جذبہ موجود نہ ہو۔

خدمتِ خلق کیا ہے؟ انسان کے ساتھ سچی خیر خواہی اور ہمدردی کرنے کا نام خدمتِ خلق ہے۔ چاہے وہ انسان کوئی مسلم ہو یا غیر مسلم۔ غیر مسلموں کی بھی خیر خواہی اور ہمدردی خدا کو مطلوب ہے۔ یہی اسلام ہے اور یہی اسلام کا اعلیٰ اخلاق ہے۔ جیسا کہ شروع ہی میں وہ حدیث بیان کی جا چکی ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ''راستے سے تکلیف دِہ چیزوں کا دور کرنا'' ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے۔ یہ حدیث صرف مسلمانوں کی بستی کے لئے نہیں، بلکہ یہ عام بستی اور عام راستے کی بات ہے۔ جہاں سے مسلمان بھی گزرتے ہیں اور غیر مسلم بھی۔ جب کسی عام راستے سے گندگی اور تکلیف دِہ چیز دور کر دی جائے گی تو اُس کا فائدہ ہر گزرنے والے کو پہنچے گا، چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ یہی خدمتِ خلق ہے جو سارے انسانوں کے لئے عام ہے۔ کسی غیر مسلم کے راستے سے بھی گندگی اور تکلیف دِہ چیز کو دور کرنا، ایمان کا ایک حصہ ہے۔ آج کی جدید تہذیب میں صفائی ستھرائی کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور ہر جگہ اُس کے لئے حکومتی سطح پر تحریکیں چل رہی ہیں۔ اسلام نے صفائی ستھرائی کے لئے سب سے پہلے آواز اٹھائی تھی، مگر مسلمان ابھی تک اپنی بستیوں اور اپنی گلیوں کو صاف ستھرا نہیں بنا سکے، وہ گندگی دور کرنے کے بجائے اور زیادہ گندگی مچاتے ہیں۔

انسانی ہمدردی

بے بس اور مجبور انسان تین طرح کے ہوتے ہیں: بھوکا انسان، بیمار انسان اور مردہ انسان۔

انسانوں کی یہ تین حالتیں ایسی ہیں جن میں وہ انتہائی حد تک مجبور اور بے بس ہوتا ہے۔ اِن حالتوں میں وہ ہمدردی اور سہارے کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ بھوکے کو کھانا کھلانا، بیمار کو سہارا دینا اور مردے کو دفن کرنے کا انتظام کرنا، یہ تینوں کام ایسے ہیں جن میں آدمی کو اپنا وقت اور پیسہ لگانا پڑتا ہے۔ بظاہر آدمی اِن کاموں سے کچھ پاتا نہیں، بلکہ وہ کھوتا ہے اور بغیر کچھ پائے کھو دینا، عقلمندوں کا طریقہ نہیں، لیکن اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اِن کاموں سے آدمی وہ قیمتی چیز پا لیتا ہے جو ایک مسلمان کسی بڑی عبادت سے بھی نہیں پا سکتا۔ وہ قیمتی چیز یہ ہے کہ ایک آدمی اِن کاموں کے ذریعہ پورے انسانی معاشرے کو تباہی سے بچا لیتا ہے، بلکہ وہ خود اپنے آپ کو بھی بچاتا ہے۔ اگر بھوکے کو کھانا کھلا کر ہمدردی کا سلوک نہ کیا گیا تو ایسا نہیں کہ بھوکا انسان مرنے کے لئے بیٹھا رہے گا، بلکہ وہ اپنی بھوک کی آگ مٹانے کے لئے چوری اور ڈکیتی کے راستے پر چل پڑے گا، پیسوں کے لئے قتل کرنے کو بھی تیار ہو جائے گا، کیونکہ بہر حال اُسے اپنی بھوک مٹانی ہے، لیکن اگر ایسا ہونے سے پہلے ہی اُسے کھانا کھلا کر اُس کی بھوک مٹا دی جائے تو پورا سماج اِس خطرے سے بچ جائے گا۔

یوں ہی اگر بیمار کی عیادت کرنا اور اُسے سہارا دینا لوگ چھوڑ دیں تو پورا سماج انسانی ہمدردی سے خالی ہو کر حیوانوں کا جنگل بن جائے گا۔ ہر طرف بیمار اور زخمی انسانوں کی بھیڑ لگ جائے گی۔ اِس طرح انسانی معاشرہ کمزور ہو گا اور اُن کے لئے ترقی کا راستہ بند ہو جائے گا، کیونکہ آگے بڑھنے کے لئے صحتمند جسم چاہیئے نہ کہ بیمار اور زخمی جسم۔

یوں ہی اگر مردہ انسان کو دفن کرنے کا انتظام نہ کیا جائے اور لاشوں کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو کچھ ہی دیر میں لاشیں سڑ جائیں گی اور سڑی ہوئی لاشوں کو نہ کوئی اپنے گھر میں برداشت کرے گا اور نہ اپنی گلیوں اور سڑکوں میں۔ بہر حال یہ لاشیں کہیں نہ کہیں پڑی

رہیں گی اور اُن سے نکلنے والی زہریلی بدبو پوری بستی میں پھیلے گی اور بستی کی ہر چھوٹی بڑی جان کے لئے خطرہ پیدا ہوجائے گا۔ معاشرے کو اِس خطرے سے دور رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ مردہ انسان کے دفن کا انتظام کیا جائے۔

یہ تینوں کام انسانی ہمدردی کی بنیاد پر انجام پائیں گے۔ جو معاشرہ اِس جذبے سے خالی ہوگا، وہ عنقریب تباہ ہوکر رہے گا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے اِس انسانی ہمدردی کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے پوچھا: آج تم میں سے کون روزہ دار ہے؟ حضرت ابو بکر نے کہا: میں۔

پھر آپ نے پوچھا کہ: تم میں سے کون آج کسی جنازے کے ساتھ ساتھ رہا۔

حضرت ابوبکر نے کہا: میں۔

پھر آپ نے پوچھا: تم میں سے آج کس نے مسکین کو کھانا کھلایا؟

حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے۔

پھر آپ نے پوچھا: تم میں سے آج کس نے بیمار کی عیادت کی؟

حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے۔

حضرت ابوبکر کا جواب سن کر آپ نے فرمایا: جس انسان کے اندر یہ باتیں اکٹھا ہوں گی وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ (11)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چار چیزوں پر جنت کی بشارت دی، اُس میں سے صرف روزہ اللہ کے لئے ہے، باقی تین چیزیں انسانی ہمدردی اور خدمتِ خلق ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس انسان کو جنت چاہئے وہ نفل عبادت سے زیادہ انسان کی خدمت کرنے پر دھیان دے۔

---

(11) مسلم: کتاب الزکوٰۃ/ باب مَنْ جَمَعَ الصَّدَقَۃَ وَأَعْمَالَ الْبِرِّ (حدیث: 1028)

بھائی چارہ

ایک دن حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کے دروزے پر دیکھا کہ عُطارِد نام کا ایک شخص باریک ریشم کا جوڑا بیچ رہا ہے تو اُنھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ یہ جوڑا خرید کر جمعہ کے دن پہنتے اور اُس دن پہنتے جب آپ کے پاس کوئی وفد آتا تو (اچھا ہوتا)۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ ریشمی جوڑا تو وہ شخص پہنے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا''۔ دوسرے دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُسی طرح کے کچھ ریشمی جوڑے آئے تو آپ نے اُس میں سے ایک جوڑا حضرت عمر کو دیا۔ حضرت عمر نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے مجھے یہ پہننے کے لئے دیا ہے جبکہ آپ کل عُطارِد کے جوڑے کے بارے میں کیا کچھ کہہ چکے ہیں؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: وہ میں نے تمھیں پہننے کے لئے نہیں دیا ہے، بلکہ اِس لئے دیا ہے کہ اُسے بیچ کر فائدہ اٹھاؤ یا کسی کو پہننے کے لئے دے دو، چنانچہ حضرت عمر نے وہ جوڑا اپنے ایک سوتیلے مشرک بھائی کو دے دیا جو مکہ میں تھا۔ (12)

یہ مدینے کا واقعہ ہے جبکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو حلال وحرام کا حکم بتاتے رہتے تھے جب حضرت عمر نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا تحفہ، ایک مشرک کو دے دیا تو آپ نے حضرت عمر کو ٹوکا نہیں، کہ تم نے میرا دیا ہوا تحفہ مشرک کو کیوں دے دیا؟ اگر دینا تھا تو کسی مسلمان کو دیا ہوتا اور نہ حضرت عمر نے یہ جاننے کی ضرورت محسوس کی کہ ایک مسلمان کسی کافر ومشرک کو تحفہ دے سکتا ہے یا نہیں، چونکہ وہ اسلام کی روح سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ اسلام، خدمتِ خلق کا بہت بڑا اسپوٹر (Supporter) ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ غیر مسلموں کو اسلام سے قریب لانے کے لئے اُن کے ساتھ اُسی طرح انسانیت کا سلوک کرنا چاہئے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

---

(12) الموٴطا: کتاب اللباس/ باب ما جاء فی اللباس (1820) مسند الامام احمد: 348 /3 (حدیث: 5931)
بخاری: کتاب الادب/ باب صلۃ الاخ المشرک (حدیث: 5981)
مسلم: کتاب اللباس والزینۃ/ باب تحریم اناء الذھب والفضۃ (حدیث 2068)

پڑوسی

حدیث کی کتابوں میں ایک روایت آئی ہے جسے کئی محدثین نے روایت کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَا زَالَ يُوصِينِي جِبْرِيلُ بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ''۔ (یعنی جبریل برابر مجھے پڑوسی کے بارے میں تاکید کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ کہیں وہ اُسے وارث نہ بنا دیں۔) (13)

بعض علماء ایسی ہر حدیث کی تخصیص کرتے ہیں۔ وہ حدیث کی تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کے مطابق نہیں کرتے، بلکہ وہ اپنے مزاج کے مطابق اور حالات سے متأثر ہو کر کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی اہمیت تو بہر حال ثابت ہے، مگر وہ پڑوسی مسلمان اور مومن ہو نہ کہ کافر اور بد مذہب۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ اِس حدیث کی تشریح ایک صحابی رسول عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کی ہے جو اپنے وقت کے بڑے زبردست فقیہ تھے۔

امام مجاہد کہتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن عمر کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اُن کا غلام بکری ذبح کر کے اُس کا گوشت بنا رہا تھا۔ اُنھوں نے کہا کہ اے غلام! جب تم کام پورا کر لینا تو سب سے پہلے ہمارے یہودی پڑوسی کو گوشت دینا۔ ایک شخص نے کہا کہ اللہ آپ کو اچھا رکھے، کیا یہودی کو گوشت دیا جائے گا؟ تو اُنھوں نے کہا کہ بے شک میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے اتنا سنا کہ ہمیں خوف ہوا کہ آپ پڑوسی کو ہمارے مال کا وارث بنا دیں گے۔ (14)

صحابی رسول نے حدیث کو جس طرح سمجھا، وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کے مطابق تھا۔ بعد والے کسی حدیث کو صحابی سے زیادہ اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر نے پڑوسی کے معاملے میں کسی کی تخصیص نہیں کی۔ مسلم اور غیر مسلم، خوش مذہب اور بد مذہب، ہر پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم ہے۔

---

(13) مسند الامام احمد: 249 / 8 (حدیث: 20886) بخاری: کتاب الادب / باب الْوَصَاةِ بِالْجَارِ (حدیث: 6014)

(14) الادب المفرد: 55، ابوداؤد: کتاب الادب / باب فی حق الجوار (حدیث: 5152)

ترمذی: کتاب البر والصلۃ / باب ماجاء فی حق الجوار (حدیث: 1943)

مشرک کا علاج

صحابہ کی ایک جماعت سفر کررہی تھی۔ دورانِ سفر وہ عرب کی ایک بستی میں اُترے۔ اُنھوں نے بستی والوں سے کہا کہ اُن کو مہمان بنالیا جائے، مگر اُنھوں نے اُن کو مہمان بنانے سے انکار کردیا۔ اتنے میں بستی کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ اُنھوں نے اُس کا زہر اُتارنے کی ہر طرح سے کوشش کی، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کسی نے کہا وہ جماعت جو بستی میں آئی ہے، اُن سے پوچھا جائے، شاید اُن میں سے کسی کے پاس کچھ علاج ہو۔ وہ صحابہ کے پاس آئے کہ اے لوگو! ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا اور ہم نے ہر طرح سے کوشش کرکے دیکھ لیا، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کیا تم میں سے کسی کے پاس کچھ علاج ہے؟ ایک صحابی نے کہا کہ ہاں، اللہ کی قسم! میں جھاڑتا ہوں، لیکن اللہ کی قسم، ہم نے تمھارے پاس مہمان بننا چاہا تو تم نے ہمیں مہمان نہ بنایا، لھذا اب میں اُسی وقت جھاڑوں گا جب تم ہمیں اُس کی مزدوری دوگے، چنانچہ چند بکریوں پر معاملہ طے ہوا۔

صحابیِ رسول اُسے سورۂ فاتحہ پڑھ کر پھونکنے لگے تو جیسے اُس کا بندھن کھل گیا اور وہ اُٹھ کر چلنے لگا اور اُس کی تڑپ جاتی رہی۔ جتنی مزدوری طے ہوئی تھی، وہ اُنھیں مل گئی۔ بعض صحابی نے کہا: آپس میں تقسیم کرو لیکن جس نے جھاڑ پھونک کی تھی، اُس نے کہا: ایسا مت کرو۔ پہلے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چل کر سارا معاملہ بیان کریں گے، پھر دیکھیں گے کہ آپ کیا حکم دیتے ہیں۔

چنانچہ صحابہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے کہا کہ تمھیں کیسے پتہ کہ وہ (سورۂ فاتحہ) جھاڑ پھونک ہے؟ تم نے ٹھیک کیا۔ اُسے تقسیم کرو اور اُس میں میرا بھی ایک حصہ لگاؤ۔ یہ کہہ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ (15)

صحابہ نے ایک مشرک کی جان بچائی، وہ بھی قرآن کی برکت سے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ خدمتِ خلق کی یہ ایک اعلیٰ اور پاکیزہ مثال ہے۔

---

(15) مسند الامام احمد: 3/ 5 (حدیث: 11276)، بخاری: کتاب الاجارۃ/ باب ما یعطی فی الرقیۃ (حدیث: 2276)، مسلم: کتاب السلام/ باب جواز اخذ الاجرۃ والرقیۃ (حدیث: 2201)

انسانی سلوک

ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سات آدمی آئے تو ایک ایک صحابی، ایک ایک آدمی کو اپنے گھر مہمان بنا کر لے گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُن میں سے ایک کو اپنا مہمان بنایا۔ آپ نے اُس آدمی سے پوچھا کہ تمھارا نام کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا: ''ابوغزوان''۔

آپ نے باری باری سات بکریوں کا دودھ دوہ کر اُسے دیا تو وہ سارا دودھ پی گیا۔

آپ نے اُس سے کہا کہ اے ابوغزوان کیا تمہیں اسلام سے دلچسپی ہے؟ اُس نے کہا کہ ہاں۔ پھر وہ مسلمان ہو گیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے ایک بکری کا دودھ دوہ کر اُسے پیش کیا تو وہ اُتنا دودھ بھی پورا نہ پی سکا۔ آپ نے پوچھا کہ اے ابوغزوان! تمھیں کیا ہوا؟ اُس نے جواب دیا: اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا، میں اچھی طرح سیراب ہو چکا ہوں۔ آپ نے کہا: بے شک کل تمھاری سات آنتیں تھیں اور آج صرف ایک آنت ہے۔(16)

ایک غیر مسلم کو مہمان بنانا اور اُس کی مہمان نوازی کرنا، انسانیت کا تقاضہ ہے۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو انسانیت سکھانے کے لئے آئے تھے۔ وہ جو کچھ غیر مسلم کے ساتھ کر رہے تھے، وہ 'اسلام' تھا۔ یعنی اسلام دنیا کو انسانیت کا درس دیتا ہے اور غیر مسلم، کافر و مشرک کی بھی خدمت کرنے اور اُسے مہمان بنانے کا سپورٹ کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اِس انسانی سلوک کی وجہ سے غیر مسلموں کو اسلام سے دلچسپی پیدا ہو جائے، اُنھیں جو اسلام سے بدگمانی ہے، وہ دور ہو جائے اور مسلمانوں کے خلاف جو نفرت اُن کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے، وہ ختم ہو جائے، مگر جب مسلمان اُن کی خیر خواہی چھوڑ دیں گے اور اُنھیں گالیاں بکیں گے اور یہ سمجھیں گے کہ اُن کا قرآن بھی اُنھیں گالیاں دیتا ہے تو غیر مسلم اُن کے دشمن ہو جائیں گے اور قرآن کی بے حرمتی کریں گے۔

---

(16) المعجم الطبرانی: 41/13 (حدیث: 98)

انسانی جان کی قدر و قیمت

فتح مکہ کے سال حضرت امّ ہانی بنت ابی طالب نے اپنے دو مشرک دِیوَروں کو اپنے گھر میں پناہ دے رکھی تھی۔ اُن کے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ آپ نے جن مشرکوں کو پناہ دے رکھی ہے، میں اُنھیں قتل کروں گا۔

یہ سن کر حضرت اُمّ ہانی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ اُس وقت آپ غسل کررہے تھے۔ غسل سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے ایک چادر اوڑھ کر آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت امّ ہانی نے کہا کہ آپ کے بھتیجے (حضرت علی) اُسے قتل کرنا چاہتے ہیں جسے میں نے پناہ دے رکھی ہے۔

یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام ہانی! اُسے ہم نے پناہ دی جسے تم نے پناہ دی۔ (17)

اسلام میں انسانی جان کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ وہ ناحق کسی کا خون بہانا جائز نہیں سمجھتا۔ صرف حالتِ جنگ میں جانوں کو خطرہ ہوسکتا ہے۔ اُس حالت میں بھی اگر کوئی مسلمان کسی کافر کو اپنے گھر میں پناہ دینا چاہے تو اسلام میں اُس مسلمان کی پناہ کا بھی احترام کیا جائے گا اور اُس کافر کو مارنا جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا نے اپنے دو مشرک دیوَروں کو اپنے گھر میں پناہ دی تھی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی 'پناہ' کا احترام کیا۔

کسی مشرک کی رشتہ داری کا لحاظ کرنا اور اُس کی جان کی حفاظت کا انتظام کرنا بھی اسلام میں پسندیدہ ہے۔ اگرچہ مُسلم فوج کا کوئی آدمی اُس مشرک کو قتل کرنا چاہتا ہو۔

صرف حالتِ جنگ میں اِس بات کی اجازت ہے کہ لڑنے والے کافر کی جان کا لحاظ نہیں کیا جائے گا، مگر نارمل حالات میں انسانی جان کا پاس و لحاظ رکھنا بہرحال ضروری ہے۔

---

(17) مسند الامام احمد: 132/11 (حدیث: 27655)، بخاری: کتاب الجزیۃ/باب امان النساء وجوارھن (حدیث: 3171)، مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین/باب استحباب صلاۃ الضحیٰ (حدیث: 336)

مُرتد کی رعایت

حضرت ابوموسیٰ اشعری کا ایک آدمی حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اُنھوں نے اُس سے لوگوں کا حال دریافت کیا تو اُس نے سنایا، پھر اُنھوں نے پوچھا کہ کوئی نئی خبر ہے تم لوگوں کے پاس؟ اُس نے کہا: ہاں، ایک آدمی مسلمان ہونے کے بعد کافر ہوگیا۔ اُنھوں نے پوچھا: کہ تم لوگوں نے اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اُس نے بتایا کہ ہم نے اُسے حاضر کیا اور اُس کی گردن ماردی۔ حضرت عمر نے کہا: کاش تم نے اُسے تین دن کے لئے قید کیا ہوتا اور ہر روز ایک چپاتی روٹی کھلائی ہوتی اور اُس سے توبہ کرنے کو کہا ہوتا، شاید وہ توبہ کرلیتا اور اللہ کے دین کی طرف لوٹ آتا، پھر حضرت عمر نے کہا: اے اللہ! میں وہاں حاضر نہ تھا اور نہ میں نے اُس کا حکم دیا تھا اور جب یہ خبر مجھے پہنچی تو میں اُس سے راضی نہ ہوا۔ (18)

اسلامی قانون کے مطابق مُرتد کی سزا قتل ہے۔ اُس کے باوجود اُس کے ساتھ رعایت کا معاملہ کرنے کا حکم ہے۔ ایسا نہیں کہ جیسے ہی وہ مرتد ہوا، ویسے ہی اُس کی گردن مار دی جائے۔ اُسے موقع دیا جائے گا کہ شاید وہ توبہ کرلے اور اسلام کی طرف لوٹنے کی سوچے اور اُسے جو دو دن، تین دن سوچنے کا موقع دیا جائے گا تو یوں ہی نہیں کہ وہ فاقہ کرے اور روٹی کا ایک ٹکڑا کھانے کے لئے ترسے۔ نہیں! بلکہ اُس کے ساتھ انسانی ہمدردی کا سلوک کیا جائے گا اور کم از کم ایک چپاتی سے اُس مجرم کی خدمت کی جائے گی۔ یہی اسلام ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری کے لوگوں نے اُس مرتد کے ساتھ جو کچھ کیا، وہ اتنا غلط تھا کہ حضرت عمر دُکھی ہوگئے، چونکہ وہ کیس اُنہی کے دورِ خلافت میں ہوا تھا، اِس لئے اُنھیں یہ احساس ہونے لگا کہ خلیفہ ہونے کی وجہ سے اُس کی آنچ مجھ پر آرہی ہے، اِس لئے وہ اللہ کی بارگاہ میں معذرت کرنے لگے اور اُس کی ذمہ داری قبول کرنے سے اپنے آپ کو بچانے لگے۔

---

(18) المؤطا: کتاب الاقضیۃ/ باب الْقَضَاءِ فِیمَنِ ارْتَدَّ (حدیث: 1543) مصنف عبدالرزاق: 10/ 164 (حدیث: 18695) مؤطا امام محمد: ابواب السیر / باب المرتد (حدیث: 869)

ایک آیت کی تفسیر

سورۃ البقرۃ کی آیت: 83 کا ایک ٹکڑا یہ ہے: ﴿وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ (یعنی لوگوں سے اچھی بات کہو)

جو لوگ قرآن کے مزاج سے واقف نہیں اور اُنھیں مفسرین کی تفسیر کا کچھ بھی علم نہیں، وہ کہتے ہیں کہ اِس آیت میں صرف اہلسنت کے مسلمانوں سے اچھی بات کرنے کا حکم ہے۔ دوسروں کے ساتھ نرمی اور ہمدردی کا برتاؤ کرنا جائز نہیں۔ یہ لوگ مذہبی شدّت پسند (extremist) ہیں۔ اُنھوں نے قرآن کی آیت کو اپنے مزاج کے مطابق ڈھال لیا ہے۔

علامہ قرطبی (وفات: 671ھ) اِس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یہ ساری باتیں عمدہ اخلاق پر اُبھارنے کے لئے ہیں۔ انسان کے لئے یہی مناسب ہے کہ لوگوں سے اُس کی بات نرم ہو اور اُس کا چہرہ کھلا ہوا، ہنستا ہوا ہو۔ نیک اور بدکار، سنّی اور بدعتی (بدمذہب) سب کے ساتھ۔ مگر مُداہنت نہ ہو یعنی کسی کے ساتھ اِس طرح بات نہ کرے کہ یہ گمان ہونے لگے کہ وہ اُس کے مذہب سے راضی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون سے کہا کہ: 'تم دونوں اُس سے نرم بات کرنا'۔ تو بات کرنے والا موسیٰ اور ہارون سے افضل نہیں ہوسکتا اور نہ بدکار، فرعون سے زیادہ خبیث ہوسکتا ہے۔ اِس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں کو فرعون سے نرم بات کرنے کا حکم دیا۔

طلحہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے کہا کہ آپ ایک ایسے آدمی ہیں جس کے پاس خواہشات کی پیروی کرنے والے (بدمذہب) اکٹھا ہوتے ہیں، حالانکہ میں ایسا آدمی ہوں جس کے مزاج میں تیزی ہے تو میں اُن سے کچھ سخت بات کرتا ہوں۔ اُنھوں نے کہا کہ ایسا نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "لوگوں سے اچھی بات کرو"۔ اِس آیت میں تو یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں تو حنفی مسلمان کے ساتھ کیسا معاملہ کرنا ہوگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اُنھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

کہا: بہت بدکلامی کرنے والی نہ بنو۔ اگر بدکلامی کی عادت کسی مرد میں بھی ہوتو وہ بُرا مَرد ہوگا''۔(19)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: بے شک اللہ بری بات کرنا اور گالی سنانا پسند نہیں کرتا۔(20)

کیسے گمراہ ہیں وہ لوگ جو قرآن کی کسی آیت یا سورت کو''گالی'' بتاتے ہیں۔ وہ اللہ کو عیب لگا رہے ہیں کہ اللہ گالی بکنے والا ہے۔ جس چیز کو اللہ پسند نہیں کرتا، اُس کا الزام وہ اللہ کو دے رہے ہیں۔

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

<<<>>>>

---

(19) تفسیر القرطبی: 486/1

(20) مسند الامام احمد: 533/10 (حدیث: 26675)

مسلم: کتاب السلام/ باب النھی عن ابتداء اھل الکتاب بالسلام (حدیث: 2165)

مآخذ ومراجع

تفسیر

۱. تفسیر الطبری	ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (۲۱۰ھ)
۲. تفسیر عبد الرزاق	عبد الرزاق بن ھمام الصنعانی (۲۱۱ھ)
۳. تفسیر ابن ابی حاتم	عبد الرحمٰن بن محمد - ابن ابی حاتم (۳۲۷ھ)
۴. تفسیر الثعلبی	احمد بن ابراھیم الثعلبی (۴۲۷ھ)
۵. تفسیر البغوی	الحسین بن المسعود البغوی (۵۱۰ھ)
۶. تفسیر القرطبی	محمد بن احمد الانصاری القرطبی (۶۷۱ھ)
۷. تفسیر ابن کثیر	اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی (۷۷۴ھ)

حدیث

۸. المؤطا	مالک بن انس (۱۷۹ھ)
۹. مؤطا امام محمد	محمد بن الحسن الشیبانی (۱۸۹ھ)
۱۰. مسند الامام احمد	احمد بن حنبل الشیبانی (۲۴۱ھ)
۱۱. صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل البخاری (۲۵۶ھ)
۱۲. صحیح مسلم	مسلم بن حجّاج القُشیری (۲۶۱ھ)
۱۳. سنن الترمذی	محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (۲۷۹ھ)
۱۴. سنن ابی داود	ابو دؤد اشعث بن سلیمان السجستانی (۲۷۵ھ)
۱۵. سنن النسائی	احمد بن شعیب النسائی (۳۰۳ھ)